(۲) اور روپیہ دے بھی دیا جائے تاکہ کاروبار چلنے لگے۔ ورنہ معاملہ فاسد شمار ہوگا۔

(۳) نفع کی تقسیم بھی طے ہو کہ روپے والے کو کتنا اور محنت والے کو کتنا نفع ملے گا۔ اگر مقدار نفع طے نہ ہوئی۔ اگر صرف اتنی ہی بات کی گئی ہے کہ نفع ہم دونوں کا ہوگا تو ہر صورت میں نفع آدھا آدھا ہو جائے گا۔

(بدائع الصنائع ج ۶ ص ۸۵)

(۴) اگر نفع کی تقسیم کے لئے یہ طے کیا کہ نفع میں مثلاً ایک ہزار میرے (صاحب مال کے) اور باقی تمہارے (یعنی محنت کرنے والے کے) یا اس کے برعکس تو یہ درست نہیں۔ معین رقم طے نہیں کی جاسکتی۔ اس سے عقد فاسد ہو جائے گا۔ نفع معین کرنے کا یہ طریقہ ہوگا کہ روپیہ دینے والا اپنا ایک حصہ رکھ لے۔ نفع کا چوتھائی یا تہائی یا نصف وغیرہ جو بھی دونوں میں طے ہو جائے۔ اگر نفع ہوگا تو کام کرنے والا اسمیں حصہ کا حقدار ہوگا۔ اور نفع نہ ہوا تو نہیں۔

(۵) یہ شرط بھی درست نہیں ہے کہ اگر نفع نہ ہوا تب ہم آپ کو (کام کرنے والے کو) اصل مال میں سے اتنا دیں گے۔ اس سے بھی مضاربت میں فساد آجاتا ہے۔

(۶) اگر یہ طے کیا کہ نقصان کی صورت میں ـــــ نقصان بذمۂ کارکن ہوگا ـــــ یا یہ طے کیا کہ نقصان میں دونوں (پیسے والا اور کام کرنے والا) شریک ہوں گے تو یہ بھی غلط ہے۔ نقصان کی صورت میں صرف روپیہ دینے والا شریک ہی اسے برداشت کرے گا۔

(۷) اگر صاحب مال نے یہ طے کیا کہ میں خود یا میرا فلاں آدمی تمہارے ساتھ کام کیا کرے گا تو بھی مضاربت نہیں رہے گی (کیونکہ یہ صورت مضاربت کی نہیں ہوتی۔ مضاربت میں ایک کا روپیہ اور دوسرے کا کام ہوا کرتا ہے۔)

(۸) مذکورہ بالا ممنوعہ شرائط میں سے اگر کوئی شرط رکھ لی ہو تو مضاربت ختم ہو جائے گی اور یہ فیصلہ دیا جائے گا کہ کام کرنے والا شخص ملازم ہے۔ اس شخص کو صاحب مال اتنی تنخواہ دینے کا ذمہ دار ہے جتنی رواجاً اس جیسے ملازم کی ہوا کرتی ہے۔ اور نفع نقصان صاحب مال کا ہوگا۔ البتہ اگر تنخواہ کی رقم زیادہ بنتی ہو اور نفع کم ہوا ہو تو یہ فیصلہ دیا جائے گا کہ نفع ہی دے دیا جائے۔ اور آئندہ کے لئے وہ از سرِ نو معاملہ طے کر کے کام کریں۔ یا معاملہ ختم کر دیں۔

(۹) صاحبِ مال اگر شروع ہی میں معاملہ فسخ کرنا چاہتا ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ کام کرنے والے ساتھی نے سامان خرید لیا ہے یا نہیں۔ اگر اس نے سامان خرید لیا ہو تو اب صاحبِ مال معاملہ کو فسخ نہیں کر سکتا اور اگر سامان نہ خریدا ہو تو فسخ کر سکتا ہے۔

(۱۰) مضاربت کے طریقہ پر تجارت غیر مسلم کے ساتھ بھی کی جا سکتی ہے۔

مُزَارَعَۃْ

یعنی زمین کھیتی بونے کے لئے بٹائی پر دینی۔ یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ امام اعظمؒ کے اس فتویٰ پر امام شافعی رحمہ اللہ کا عمل بھی رہا ہے۔

لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہر دو جلیل القدر شاگرد امام ابویوسف اور امام محمد اسے جائز قرار دیتے ہیں۔

جو حضرات مزارعت کو جائز قرار دیتے ہیں ان کی بڑی دلیل یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر کا علاقہ فتح کیا تو وہاں کی یہودی آبادی کو آپؐ نے وہیں رہنے دیا اور زمین جو مسلمانوں کی ہو چکی تھی انہیں بٹائی پر دے دی۔ مزارعت کا نام مُخابَرہ (خیبر والا معاملہ) بھی ہے۔

لیکن امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ یہودیوں کے ساتھ آپ کا یہ معاملہ مزارعت کے طریقہ نہ تھا۔ بلکہ یہ ان سے خراج وصول کرنے کی ایک صورت تھی جس کی دلیل یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا تھا:۔

نُقِرُّكُمْ مَا أَقَرَّكُمُ اللهُ	ہم تمہیں جب تک خدا چاہے گا اس صورت پر قائم رکھیں گے۔

آپؐ نے اس کے لئے کوئی مدّت مقرر نہیں فرمائی تھی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خراج ہی تھا (اسے امام اعظمؒ نے خراجِ مُقَاسَمہْ کا نام دیا ہے) کیونکہ اگر یہ مزارعت ہوتی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدّت ضرور مقرر فرما دیتے۔ مدّت کے تعین کے بغیر کسی کے نزدیک بھی مزارعت ٹھیک نہیں سمجھی گئی۔ نیز کسی بھی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے خیبر کے یہودیوں سے جزیہ لیا ہو۔ اگر خیبر کی زمین یہودیوں کو بٹائی پر دی گئی ہوتی تو جزیہ ضرور لیا گیا ہوتا۔ اس

سے مزید واضح ہو رہا ہے کہ زمین یہودیوں کو بٹائی پر نہ دی گئی تھی بلکہ جزیہ وصول کرنے کا یہ طریقہ اختیار فرمالیا تھا۔ اسی میں جزیہ داخل تھا۔ اسی کا نام خراجِ مُقَاسَمَہ ہے ۔ اور مسلمانوں کے آپس کے معاملہ کے بارے میں حدیث میں آتا ہے ۔ نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن المخابرۃ: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرۃ (مزارعت) سے منع فرمایا۔ (یہ حدیث امام بخاریؒ نے بھی تحریر فرمائی ہے۔ بخاری ج ۱ ص ۳۲۰)

البتہ امام اعظمؒ اس صورت کو جائز قرار دیتے ہیں کہ سفید زمین کرایہ پر دے دی جائے۔ یہی حضرت ابن عباس کا فتویٰ تھا (رضی اللہ عنہما)

إِنَّ أَمْثَلَ مَا أَنْتُمْ صَانِعُونَ أَنْ تَسْتَأْجِرُوا الْأَرْضَ الْبَيْضَاءَ مِنَ السَّنَةِ إِلَى السَّنَةِ۔ (بخاری ص ۳۱۵ ج ۱)

لیکن فتویٰ صاحبین (امام ابو یوسفؒ و محمدؒ) کے قول پر ہی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات نے تعامل (عمل) کو اہمیت دی۔ کیونکہ تعامل صحابہ و تابعین خود بڑا وزن رکھتا ہے۔ وہ دلیلِ جواز ہے۔ نیز اس میں سہولت زیادہ ہے۔ اس لئے کہا جائے گا کہ افضل تو یہی صورت ہے کہ سفید زمین کرایہ پر دیدی جائے۔ لیکن جائز یہ بھی ہے کہ بٹائی پر دیدی جائے۔

مزارعت یعنی بٹائی پر زمین دینے کے تفصیلی احکام تو کتبِ فقہ میں ہیں لیکن مزارعت کے آسان آسان کچھ احکام (قاعدے قانون) یہاں بھی درج کر رہا ہوں۔

(۱) دونوں میں یہ طے ہونا چاہیئے کہ کیا بویا جائے گا۔

(۲) مزارع کھیتی باڑی ہی کر سکتا ہے درخت نہیں بو سکتا۔

(۳) پیداوار میں حصہ ہر ایک کا صاف معین ہوگا۔ چوتھائی تہائی نصف جو بھی ہو۔

(۴) ہر دو کا حصہ اسی زمین سے پیدا شدہ کھیتی میں لیا دیا جائے گا۔ کیونکہ بات ہی اس زمین کی اور اس کی پیداوار کی ہے۔

(۵) زمین قابلِ کاشت ہو۔ بنجر زمین مزارعت پر نہیں دی جاتی۔

(۶) زمین اور اس کی حدود متعین ہوں۔

(۷) زمین اس مدت میں فقط مزارع کے عمل دخل میں رہے گی۔ مالک دخل نہ دے گا۔

(۸) اگر ٹریکٹر اور بیج مالک زمین نے دینے طے کئے ہیں تو بھی جائز ہے اور اگر مالک زمین

فقط زمین دے رہا ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ اور اگر زمین اور بیج مالک کے اور ٹریکٹر یا
بیل اور ہل مزارع کے ہوں تو یہ بھی درست ہے۔

۹) اگر زمیندار ٹریکٹر دے رہا ہے اور کاشت کار بیج دے رہا ہے تو اس صورت میں امام ابو یوسفؒ و محمدؒ (صاحبینؒ) میں بھی اختلاف ہے۔ امام محمدؒ منع کرتے ہیں اور امام ابو یوسفؒ اسے جائز فرماتے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ یہ صورت اختیار نہ کی جائے۔

(۱۰) کچھ بیج مالک زمین اور کچھ کاشت کار دے یہ بھی درست نہیں۔

(۱۱) اگر ایک شخص نے زمین دی ایک نے بیج دیئے ایک نے ٹریکٹر اور چوتھے نے کام کیا تو یہ جائز نہیں۔ اسی طرح کا واقعہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا تھا۔ تو آپؐ نے اسے غلط قرار دیا تھا۔

(۱۲) ٹریکٹر۔ یا۔ ہل اور بیل۔ مہیا کرنے کی شرط کسی طرف سے بھی دوسرے پر لازمی نہیں قرار دی جائے گی۔ اس پہ کوئی بھی فریق دوسرے سے نہیں جھگڑ سکے گا۔ اور مزارع مالک زمین کو پابند نہیں کر سکتا۔

(۱۳) مدت مزارعت بھی طے کرنی چاہیئے۔ اس کی ابتداء بھی اور انتہا بھی۔ بہتر یہی ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۶۔ ص ۱۷۵ تا ۱۸۲)

حسّی معجزات — ایک توجیہہ

از قلم:
ڈاکٹر عبد الخالق
(صدر شعبہ فلسفہ، جامعہ پنجاب)

حسّی معجزات بنیادی طور پر اللہ تعالےٰ کی آیات اور اس کی فعلیت کے معتدقہ مظہر ہیں جن کی تکذیب خود اللہ تعالےٰ کو جھٹلا دینے کے مترادف ہے۔ تاہم ثانوی طور پر ان کا ایک زمانی و مکانی پہلو بھی ہے جس کے لحاظ سے یہ ان واقعات پر مشتمل ہیں جو قوانین فطرت میں دخل انداز ہو کر ان کے عمل کو عارضی طور پر روک دیتے ہیں۔ زیر نظر بحث کا تعلق معجزات کے اسی موخر الذکر پہلو سے ہے۔

اسلامی فکر کی تاریخ میں ہمیں حسّی معجزات کے بارے میں دو متناقص قسم کے نظریات ملتے ہیں۔ ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس کائنات میں جتنے بھی واقعات رونما ہوتے ہیں وہ سب کے سب بلا واسطہ اور براہ راست اللہ کی مشیت اور اس کے ارادے سے ہوتے ہیں۔ کوئی ایسے اصول و قوانین موجود نہیں ہیں جو فطرت میں از خود کار فرما ہوں اور جن کی معروضی نوعیت کو سائنسی تجرباتی تحقیق سے دریافت کیا جا سکے۔ مثال کے طور پر اگر آگ میرے ہاتھ کو جلاتی ہے یا پانی میری پیاس کو بجھا دیتا ہے تو آگ کی حدت اور میرے ہاتھ کے جل جانے کے درمیان اور پانی پینے اور پیاس کے بجھ جانے کے درمیان کوئی ایسا باہمی تعلق نہیں ہے جسے ہم علّت و معلول کا رشتہ کہہ سکیں۔ دراصل خدا خود اپنے ذاتی ارادے سے میرے ہاتھ میں جلنے کی کیفیت